عربی زبان کی اہمیّت

ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ، سابق پروفیسر پنجاب یونیورسٹی

عربی زبان اور یونانی علوم

عربوں نے اپنے عہدِ ترقی میں جن اقوام کے علمی خزانوں کو اپنی زبان میں منتقل کیا، ان میں تین قومیں خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ اوّل یونانی، دوسرے ایرانی اور تیسرے اہل ہند۔ سرِدست ہمیں یونانی اور عربی ادبیات کے باہمی تعلقات اور اثرات سے سروکار ہے اور یہ دکھلانا مقصود ہے کہ یونانی حکمت و فلسفہ اور علوم و فنون کے ضمن میں عربی زبان کیا اہمیّت و افادیت رکھتی ہے۔

امراء عرب میں سب سے پہلے جس شخص نے یونانی علوم میں دلچسپی کا اظہار کیا، وہ خالد بن یزید بن معاویہ تھے۔ روایت ہے کہ جب انھیں خلافت و حکومت میں ناکامی ہوئی، تو انھوں نے اپنی توجّہ علوم کی طرف منعطف کر دی۔ اس زمانہ کے علوم متداولہ بیشتر یونانی زبان میں تھے اور ان کا سب سے بڑا مرکز اسکندریہ کا شہر تھا۔ ابن ندیم کا بیان ہے کہ خالد بن یزید نے یونانی اور قبطی زبانوں کی متعدد کتابوں کا عربی میں ترجمہ کرایا۔ جن کا تعلق کیمیا، طبّ اور علمِ نجوم سے تھا[1] لیکن یونانی کتابوں کے عربی تراجم کا کام بیشتر عباسی عہد میں انجام پایا۔ خلیفہ المنصور، خلیفہ ہارون الرشید اور خلیفہ المامون کی علم دوستی اور شاہانہ سرپرستی کی بدولت یونانی زبان کی سینکڑوں کتابیں عربی میں منتقل ہوئیں، جن کا تعلق علم کی تقریباً

---

[1] کتاب الفہرست لابن الندیم، مطبوعہ مصر، صفحہ ۴۹۷

تمام شاخوں سے تھا۔ اپنی طبیعت اور مزاج کے اعتبار سے عرب ایک عملی (PRACTICAL) اور حقیقت پسند قوم تھے۔ اس لئے انھوں نے یونانی علوم کے اکتساب و انتخاب میں ان کی عملی اور افادی حیثیت کو پیش نظر رکھا اور فلسفہ و حکمت کے علاوہ اپنی توجہ بیشتر طب، کیمیا، ریاضی، فلکیات اور جغرافیہ جیسے مفید علوم پر مرکوز کی، اور یونانیوں کے علم الاصنام اور خرافات (MYTHOLOGY) کو بیکار سمجھ کر نظر انداز کر دیا، کیونکہ عربوں کے ذہن اسلام کی برکت سے اس قسم کے توہمات اور اباطیل سے آزاد ہو چکے تھے۔ عربوں کا قومی مذاق ایک اور واقعہ سے بھی ظاہر ہے۔ کہتے ہیں کہ غزنوی دَور کے ایک مشہور شاعر عنصری نے وامق اور عذراء کے نام سے ایک قصّہ منظوم کیا اور اسے خراسان کے ایک عرب امیر کی خدمت میں پیش کیا۔ لیکن جب امیر کو معلوم ہوا کہ یہ قصّہ یونانیوں کے کسی قدیم افسانے سے ماخوذ ہے تو اس نے اسے یہ کہہ کر پھینک دیا کہ ہمیں ایسے خیالی افسانوں کی ضرورت نہیں۔

ان عربی تراجم کے متعلق ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ ان میں سے بعض ایسی کتابیں ہیں جن کے اصل یونانی متن حوادثِ زمانہ کی نذر ہو چکے ہیں لیکن ان کے عربی تراجم ہنوز محفوظ ہیں۔ تحقیق کے مطابق ذیل کے یونانی مصنفین کے علمی کارنامے اس طریق سے محفوظ رہ گئے ہیں:-

(۱) اپلونیوس (APOLLONIUS) کی کتاب المخروطات (CONICS) کے تین مقالات۔ کتاب الفہرست کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ جب عباسی عہد میں اس کا ترجمہ ہوا تھا، اس وقت بھی یہ کتاب بہت نادر تھی اور آٹھویں مقالہ کا اکثر حصّہ ضائع ہو چکا تھا۔

(۲) منالاوس (MENELAUS) کی کتاب الاشکال الکریّہ (SPHERICS)۔

(۳) ہیرو اسکندری کی کتاب الآلات (MECHANICS)

(۴) فیلو (PHILO) بزنطینی کی کتاب الہواء۔

(۵) ایک کتابچہ میزان پر جو اقلیدس کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔

(۶) ساعات الماء (CLEPSYDRA) جو ارشمیدس کی طرف منسوب ہے۔

(۷) علمِ زراعت کی ایک کتاب جو اناطولیوس بیروتی (ANATOLIUS OF BERYTOS)

کی تصنیف ہے۔

(۸) جالینوس (GALEN) کی بعض تالیفات علم طب پر۔

(۹) کتاب المناظر والمرایا (OPTICS) جو بطلیوس کی طرف منسوب ہے۔

(۱۰) برلیسون کی "تدبیر المنزل" (OEKONOMIKOS OF BRYSON)۔

(۱۱) جالینوس کی کتاب وبائی امراض (EPIDEMICS) پر۔

(۱۲) جالینوس، روفس (RUFUS) فیلغرلوس (PHILAGRIOUS)، آرکی جینس (ARCHIGENES) اور اینطلوس (ANTYLLOS) اور دیگر یونانی اطباء کی متعدد تالیفات جن کے صرف عربی تراجم باقی رہ گئے ہیں۔

غرضکہ مذکورہ بالا عربی تراجم نے یونانیوں کے بہت سے علمی کارناموں کو نیست و نابود ہونے سے بچالیا ہے۔[1]

---

[1] جیساکہ مغربی مورخین نے لکھا ہے یونانی لٹریچر کے ناپید ہونے کا ایک سبب یہ ہوا کہ جب نصاریٰ نے غلبہ پایا، تو انھوں نے یونانی کتابوں کے اکثر ذخیروں کو یہ کہہ کر تباہ و برباد کر دیا کہ ان کے مندرجات مسیحی عقائد کے منافی ہیں۔ اس نوعیت کا سب سے ہولناک واقعہ اسکندریہ میں پیش آیا۔ عیسائی حکمرانوں نے نہ صرف اسکندریہ کے دارالعلوم کو بند کر دیا بلکہ عیسائی پادریوں نے وہاں کے کتب خانہ کو بھی جلا دیا اور فلسفہ کی ایک نامور معلمہ (HYPATIA) کو برسرِعام بےحرمت کر کے کمال سفاکی سے قتل کر ڈالا۔

یونانی علوم کے ضائع ہونے کا دوسرا سبب یہ ہوا کہ اہل مغرب مدّتِ دراز تک چمڑے پر لکھتے رہے جس کی کمیابی اور گرانی کتابوں کی اشاعت میں حائل تھی۔ چونکہ پارچمنٹ کمیاب تھا اس لئے عیسائی راہبوں اور پادریوں کے ہاں یہ عام دستور تھا کہ وہ قدیم یونانی تصانیف کی عبارتوں کو مٹاتے تھے اور پھر ان پر اپنے اوراد و وظائف لکھتے تھے۔ اس طرح صدیوں تک یونان اور روما کا قدیم لٹریچر مٹتا رہا۔ آخر کار عربوں نے اندلس میں کاغذ سازی کو رواج دیا اور یورپ کو ایک ایسی چیز مہیّا کی جو پارچمنٹ کا کام دے سکے اور اس طرح سے قدیم علوم کے بقاء کا سامان کر دیا۔

یونانی ادبیات کے سلسلہ میں ایک اور قابلِ ذکر امر یہ ہے کہ متعدد مسلمان مصنّفین نے حکماء اور فلاسفہ کے حالات میں قابلِ قدر کتابیں لکھیں، مثلاً ابن القفطی کی اخبار الحکماء، ابوسلیمان محمد سنجری کی صوان الحکمہ اور ابن ابی اصیبعہ کی طبقات الاطباء۔ ان کتابوں میں بہت سے یونانی حکماء کا بھی ذکر آیا ہے اور یہ بات قابلِ غور ہے کہ ان حکماء کے حالات، ان کے نظریات اور ان کی تصانیف کے متعلق عربی مصنّفین نے بعض ایسی معلومات فراہم کر دی ہیں جو خود یونانیوں کے ہاں نہیں ملتیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ عربی مصادر سے یونانی حکماء کے حالات تلاش کرنے اور یونانی علوم کی تاریخ مدوّن کرنے میں بہت کچھ مدد مل سکتی ہے۔

یونانی ادبیات کے مطالعہ میں عربی تراجم کا ذخیرہ ایک اور طریق سے بھی مفید ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ انگریز مستشرق سائمن اوکلے (SIMON OCKLEY) متوفی ۱۷۲۰ء نے توجہ دلائی ہے۔ یہ تراجم یونانی تالیفات کے مشکوک مقامات کو صحیح طور پر ضبط کرنے میں کام آسکتے ہیں۔ فی زمانا یورپ میں جو یونانی مخطوطات محفوظ ہیں وہ اپنے سنّ کتابت کے لحاظ سے اُن یونانی نسخوں کے مقابلہ میں حدیث العہد ہیں جن سے عربی تراجم تیار ہوئے تھے لہذا یونانی تصانیف کی عبارتوں کو صحّت کے ساتھ ضبط کرنے میں عربی تراجم کی طرف رجوع کرنا خالی از فائدہ نہیں۔

عربی زبان اور علمِ تاریخ

ہم یہ بات بلاخوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ دنیا کی کسی قوم نے اپنی تاریخی روایات کے ضبط کرنے اور مشاہیر کے حالات کو محفوظ کرنے میں اہلِ اسلام کی سی جانفشانی کا ثبوت نہیں دیا۔ ان کو غالباً اس بات کا احساس تھا کہ ان کے کارنامے ایسے شاندار ہیں کہ ان کو جریدۂ روزگار پر ہمیشہ کے لئے ثبت کر دینا چاہیئے۔

عربی زبان میں کتب تاریخی کا جو وسیع ذخیرہ موجود ہے، وہ ان کے تاریخی ذوق پر شاہد عدل ہے۔ اسلام سے پہلے عربوں کے علم الانساب اور "ایّام العرب" کا جو چرچا تھا وہ ان کے تاریخی مذاق کا بیّن ثبوت ہے۔ ظہور اسلام کے بعد علم تاریخ نے ان کے ہاں ایک مستقل فن کی حیثیت اختیار کر لی، جس کی ابتداء سیرت نگاری سے ہوئی۔ محمّد بن اسحٰق مطلّبی اور محمد بن عمر الواقدی کے بعد ابن قتیبہ دینوری، احمد بن یحییٰ بلاذری، احمد بن الواضح الیعقوبی

اور امام ابن جریر طبری کا زمانہ آیا، جنھوں نے عمومی تاریخیں لکھیں۔ خصوصاً امام طبری نے علم تاریخ کی بے مثال خدمت انجام دی۔ انھوں نے تاریخ الرسل والملوک لکھ کر اسلام کی پہلی تین صدیوں کی تاریخ کو ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا۔ چوتھی صدی ہجری میں مسعودی اور ابن مسکویہ جیسے فلسفی مزاج مورخین نے ظہور کیا۔

چوتھی صدی ہجری تک عربی زبان میں علم تاریخ کا جو ذخیرہ جمع ہو چکا تھا اس کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ مسعودی نے مروج الذہب کے دیباچہ میں اٹھاسی بڑے بڑے مورخوں کا ذکر کیا ہے جو اس کے زمانہ تک پیدا ہو چکے تھے۔ امتدادِ زمانہ کے ساتھ فن تاریخ میں مزید شاخیں پیدا ہوتی گئیں، چنانچہ آٹھویں صدی میں حافظ ذہبی نے تاریخ کی چالیس قسمیں شمار کی ہیں۔ اسی صدی میں حافظ مغلطائی نے ایک ہی نجی کتب خانہ میں قریباً ایک ہزار کتابیں تاریخ کی دیکھی تھیں جو غالباً سب کی سب عربی زبان میں تھیں۔ ۸۹۷ھ میں حافظ سخاوی نے "الاعلان بالتوبیخ لِمَن ذَمَّ التاریخ" کے نام سے ایک خاص کتاب تالیف کی۔ اور اس میں مختلف قسم کی عربی تاریخوں اور کتب سیرت کی کیفیت بیان کی۔ یہ کتاب گویا عربی تاریخ نویسی کی ایک جامع تاریخ ہے جس سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ عربی تاریخ نویسی کے میدان میں کتنی وسعت پیدا ہو چکی تھی۔ گزشتہ صدی میں مشہور جرمن مستشرق ویسٹن فیلٹ (WÜSTEN FELD) نے، جس کی علمی خدمات ناقابل فراموش ہیں، جب عربی مورخین اور ان کی تالیفات کی ایک جامع فہرست بلحاظ زمانہ مرتب کی تو اس میں ۵۹۰ مورخوں کا ذکر کیا، جو اسلام کی پہلی دس صدیوں میں پیدا ہو چکے تھے۔[۱] اہل اسلام نے سیرت اور رجال کا جو طویل سلسلہ پیدا کیا، وہ مستزاد ہے۔

بیان بالا سے ظاہر ہے کہ اسلام کی تاریخ بیشتر عربی زبان ہی میں مسطور ہے۔ بہت سی کتابیں فارسی اور ترکی میں بھی لکھی گئی ہیں لیکن ان کی حیثیت ثانوی ہے۔ لہذا جو شخص ملتِ

---

[۱] FR. WÜSTEN FELD: DIE GESCHICHTSSCHREIBER DER ARABER UND IHRE WERKE. GÖTTINGEN, 1882.

اسلام کی سرگزشت کا محققانہ مطالعہ کرنا چاہے یا اس موضوع پر تصنیف و تالیف کا ارادہ کرے، اس کے لئے عربی زبان کا جاننا ضروری ہے۔ بعض عربی تواریخ کے دوسری زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں، لیکن ایک محقق کے لئے یہ تراجم کفایت نہیں کر سکتے۔ اس کے لئے اصلی مصادر کی طرف رجوع کرنا لابدی ہے۔

عربی مورخین نے نہ صرف ملّتِ اسلام کی تاریخ کو شرح و لبیط کے ساتھ قلمبند کیا ہے، بلکہ ان کے ہاں اہلِ اسلام کی ہمسایہ اقوام کے متعلق بھی بڑی قیمتی معلومات ملتی ہیں۔ مثلاً البیرونی نے "کتاب الہند" میں ہنود کے قدیم علوم و فنون، ان کے عقائد اور عادات و رسوم کو جس صحت اور جامعیت کے ساتھ بیان کیا ہے اس پر آج بھی دیدہ ور علماء اسے خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں۔ اسی طرح ابن فضلان نے چوتھی صدی ہجری میں بُلغار اور بلاد روس کا سفر کرنے کے بعد وہاں کے باشندوں کے جو حالات لکھے، وہ معاصرانہ شہادت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ روسی مستشرقین اس کے بیان کی بڑی قدر کرتے ہیں۔ غرضکہ عربی زبان میں مختلف ملکوں اور قوموں کے حالات اور مختلف زمانوں کی تاریخ کے متعلق نہایت بیش قیمت معلومات فراہم ہو گئی ہیں۔ جرمن مورخ فان رانکے (VON RANKE) کا کہنا ہے کہ "لاطینی کے بعد علم تاریخ کے نقطہ نظر سے دنیا کی تمام زبانوں میں عربی سب سے اہم ہے۔"

عربی زبان کے لئے یہ شرف کیا کم ہے کہ ابن خلدون نے اپنا شہرۂ آفاق "مقدمہ" لکھ کر اپنا فلسفہ تاریخ اسی زبان میں پیش کیا، اور اس کے علاوہ اپنی نئی سائنس یعنی "علم العُمران" کی تشریح اسی زبان میں کی۔

عربی زبان، تاریخِ علوم اور مغربی علماء

تاریخِ علوم نے آجکل ایک مستقل علم کی صورت اختیار کر لی ہے۔ اس کے مطالعہ سے نہایت مفید نتائج حاصل ہوئے ہیں اور بعض علماء نے اس میں تخصص پیدا کیا ہے اور اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ جہاں تک اسلامی عہد کا تعلق ہے، مغرب کے دو عالموں نے اس میں خاص نام پیدا کیا ہے۔ اوّلاً ایک اطالوی فاضل آلدو میلی (ALDO MIELI) نامی ہیں، جنہوں نے ۱۹۳۸ء میں LA SCIENCE ARABE کے نام سے ایک کتاب

فرانسیسی زبان میں لکھی تھی - اور مسلمانوں کی سائنسی ترقی کا اجمالی لیکن جامع تذکرہ کیا تھا۔ اور اس بات کی وضاحت کی تھی کہ مسلمان سائنسدانوں نے دنیا کی علمی ترقی میں کیا حصّہ لیا۔ دوسرے فاضل ڈاکٹر جارج سارٹن متوفی ۱۹۵۶ء ہیں - وہ اصلاً بلجیم کے باشندے تھے، لیکن پہلی عالمگیر جنگ میں ترک وطن کر کے امریکہ میں آباد ہو گئے تھے اور ہارورڈ یونیورسٹی کے ساتھ وابستہ ہو گئے تھے۔ انھوں نے تین ضخیم جلدوں میں علوم کی ایک جامع اور مبسوط تاریخ لکھی اور اس میں حسب موقع مسلمان سائنس دانوں کا بھی تذکرہ کیا ہے، اور ان کے علمی کارناموں اور ان کی تالیفات کی مناسب طور پر نشان دہی کی۔[1]

دوسرے مغربی مصنفوں کے قلم سے علوم و فنون کی جو تاریخیں نکلی ہیں، ان کی بالعموم یہ کیفیت ہے کہ وہ یونان اور رومہ کے حکماء کا ذکر کرنے کے بعد یورپ کی نشأۃ ثانیہ اور عہد حاضر کی طرف آنکلتے ہیں اور مسلمانوں کے علمی کارناموں کو نظرانداز کر دیتے ہیں، حالانکہ وہ مسلمان ہی ہیں جنہوں نے قرونِ وسطیٰ میں علوم و فنون کو زندہ رکھا اور ان کی اشاعت کر کے یورپ کی بیداری اور ترقی کا موجب ہوئے۔ اس قسم کی تواریخ میں اگر مسلمانوں کے علمی کارناموں کا تذکرہ آتا ہے تو محض سرسری طور پر۔ اس کی وجہ کچھ تو مغربی مصنفین کی تنگ نظری ہے یا ان کا تغافل ہے۔ لیکن اس فروگزاشت کا بڑا سبب یہ ہے کہ مسلمانوں کے علوم و فنون بیشتر عربی میں مدون ہوئے ہیں اور زبان کی ناواقفیت کی وجہ سے مغربی مصنفین کی ان تک رسائی نہیں۔

قرونِ وسطیٰ میں مسلمانوں نے مختلف علوم و فنون میں جو ترقی کی تھی اور ان پر جو اضافے کئے، اس کی کماحقہ، تحقیق اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ محقق کو عربی زبان پر عبور حاصل نہ ہو۔ اہل اسلام کا بیشتر علمی سرمایہ عربی زبان میں ہے، کیونکہ صدیوں تک نہ صرف عرب بلکہ دیگر مسلم اقوام کے علماء بھی اپنی علمی تصانیف عربی ہی میں لکھتے رہے عربی زبان نہ صرف عالمِ اسلام کی مذہبی زبان تھی بلکہ سرکاری اور علمی زبان بھی تھی۔ فارابی اور

---

[1] GEORGE SARTON: AN INTRODUCTION TO THE HISTORY OF SCIENCE, 3 VOLS. BALTIMORE, 1927, 1931, 1948.

ابن سینا اصلاً ترک تھے، لیکن ان کی تمام اہم تصانیف عربی میں ہیں۔ عمر خیام دنیا میں ایک فارسی شاعر کی حیثیت سے مشہور رہے، لیکن اس نے اپنا الجبرا عربی میں لکھا۔ یہی حال اس کے عہد کے اور سینکڑوں ارباب علم کا ہے جن میں یہودی اور نصرانی علماء بھی شامل ہیں۔ غرضکہ قرون وسطیٰ کے بہترین دل و دماغ رکھنے والے ارباب علم کی تحقیقات کے نتائج ایک ایسے خزانے میں جمع ہیں، جس کی کنجی عربی زبان ہے۔

مدت ہوئی ایک جرمن فاضل یوحنا بیکمن نے "ایجادات کی تاریخ" لکھی تھی[1]۔ اس تاریخ میں انھوں نے عربوں کے علمی کارناموں کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں وہ عربی زبان کی اہمیت کا یوں ذکر کرتے ہیں۔ "عرب کیا ہی شریف لوگ تھے۔ علم کے ایک بہت بڑے حصے کے لئے ہم ان کے ممنون ہیں۔ نیز بہت سی مفید اشیاء کے لئے جو انھوں نے ایجاد کیں۔ جو برکات اور فوائد ہم نے ان سے حاصل کئے ہیں۔ اگر ہمیں ان کا پورا پورا علم ہو، تو ہمیں اپنی احسان مندی کا اور بھی زیادہ احساس ہو۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ان کی کتابیں پڑی پڑی خاک ہو رہی ہیں، اور کوئی نہیں جو ہمیں ان کے مضامین اور مطالب سے آشنا کرے یہ کس قدر شرم کی بات ہے کہ وہ لوگ جو اس وسیع زبان کے عالم ہیں، ہمارے ملک میں مناسب قدر دانی اور حوصلہ افزائی سے محروم ہیں۔ اگر مجھے بیس سال اور زندہ رہنے کی امید ہوتی اور مجھے عربی مخطوطات بھی کافی تعداد میں میسّر آتے، تو میں عربی زبان ضرور سیکھتا۔"

جب سے علماءِ مغرب نے عربی علوم کو بذریعہ تراجم اپنے ہاں منتقل کیا ہے، اسی زمانہ سے یورپ میں عربی علوم کی دھاک بیٹھی ہوئی ہے۔ وضاحت کے لئے میں ایک دو مثالوں پر اکتفا کرتا ہوں۔ بارھویں صدی عیسوی میں دیگر مغربی ملکوں کے علاوہ انگلستان کے علماء بھی طلب علم کی غرض سے اندلس کی عربی یونیورسٹیوں میں آنے لگے تھے۔ ان طلبہ میں (ALEDARD OF BATH)

---

[1] J. BECKMANN : BEITRÄGE ZUR GESCHICHTE DER ERFINDUNGEN. 3 BÄNDE. LEIPZIG, 1792 – 1805. ENGLISH TRANSLATION IN BOHN'S LIBRARY LONDON.

یعنی شہر باتھ کا رہنے والا ایڈلارڈ بھی شامل تھا۔ وہ ان اشخاص میں سے تھا جنہوں نے فارغ التحصیل ہونے کے بعد بذریعہ تراجم بلادِ مغرب میں عربی علوم و فنون کے پھیلانے میں سبقت کی تھی۔ اس نے ایک مکالمہ میں اپنے بھتیجے سے جو فرنگی یونیورسٹیوں کا تعلیم یافتہ تھا عربوں کے اس طرزِ تحقیق کی برتری بیان کی ہے، جو اُس نے اندلس میں سیکھا تھا۔ لکھتا ہے "میں نے عقل کو اپنا رہبر بنا کر اپنے عرب استادوں سے کچھ اور سیکھا ہے اور تم نے کچھ اور سیکھا ہے۔ تمہاری آنکھیں سند کی ظاہری چمک سے خیرہ ہو رہی ہیں اور تم نے اپنے منہ پر دہانہ چڑھا رکھا ہے، آخر کورانہ تقلید کو دہانہ نہ کہیں تو اور کیا کہیں؟ جس طرح بے عقل جانوروں کے منہ میں لگام دے کر جہاں چاہتے ہیں لے جاتے ہیں اور وہ بے چارے یہ بھی نہیں جانتے کہ انھیں لوگ کہاں اور کیوں لے جا رہے ہیں، کیونکہ وہ تو اس ڈوری سے جس میں وہ بندھے ہوئے ہیں کھنچے چلے جاتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح تم میں سے بہت سے سادہ لوح افراد اندھی تقلید کی وجہ سے قدماء کی سند سے مرعوب ہو کر ٹھوکریں کھاتے ہیں۔ انسان کو اس لئے عقل دی گئی ہے کہ وہ اسے حکم قرار دے کر حق و باطل میں تمیز کر سکے، لہٰذا ہمیں سب سے پہلے عقل و خرد کی تلاش کرنی چاہیئے، اور جب وہ دستیاب ہو جائے تو اس کے بعد سند کو دیکھنا چاہیئے۔ سند بذاتِ خود فلسفی میں اعتماد پیدا نہیں کر سکتی اور نہ ہی اسے اس غرض سے استعمال کرنا چاہیئے۔"

مسلمانوں کے علوم جو عربی زبان میں مسطور تھے، گیارھویں صدی سے تیرھویں صدی تک برابر بذریعہ تراجم بلادِ مغرب کی طرف منتقل ہوتے رہے۔ اس زمانہ میں یورپ کی علمی زبان لاطینی تھی، اس لئے یہ تراجم بیشتر لاطینی زبان میں تیار ہوئے۔ ولیسٹن فیلڈ جیسے عالم نے ان تراجم کا تفصیلی تذکرہ ایک مستقل کتاب میں کیا ہے [۱]۔ غرضکہ ان تراجم سے مغربی ثقافت نے بڑی ترقی پائی۔ عربی علوم سے جو لوگ زیادہ متاثر ہوئے، ان میں انگلستان کا بلند پایہ فلسفی روجر بیکن

---

[۱] F. WÜSTENFELD: ÜBERSETZUNGEN ARABISCHER WERKE IN DAS LATEINISCHE SEIT DEM XI JAHRHUNDERT. GOTTINGEN, 1877.

اور مشہور شاعر چاسر بھی شامل ہے۔ غرضکہ ایک عرصہ دراز تک عربی علوم کی دھوم رہی، حتیٰ کہ اٹھارھویں صدی میں بھی عربی علوم کی شہرت کی صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے۔ ڈاکٹر سیموئل جانسن اٹھارھویں صدی میں انگلستان کے ایک مشہور ادیب ہو گزرے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جب برطانوی حکومت نے ان کی علمی خدمات کے صلہ میں ان کے لئے وظیفہ مقرر کیا تو وہ بے اختیار پکار اٹھے "اگر مجھے یہ وظیفہ آج سے بیس سال پہلے ملا ہوتا، تو میں بھی پوکاک کی طرح قسطنطنیہ جاتا اور عربی زبان سیکھتا"[1]۔ انہی کا قول ہے "اس دنیا میں صرف دو چیزیں تحقیق و تدقیق کے لائق ہیں۔ اولاً عیسائی دنیا اور دوسرے عالم اسلام، ان کے ماسوا سب بربریت ہے"۔

عہد حاضر میں جن مغربی علماء نے عربوں کے علوم کی تاریخی لحاظ سے تحقیق کی ہے وہ تمام عربی زبان جانتے تھے۔ مثلاً سیدیو (SÉDILLOT)، روسکا (JULIUS RUSKA)، شوئے (SCHOY)، زوٹر (SUTER)، پال کراؤس (PAUL KRAUS)، میکس مائرہوف (MAX MEYERHOF)، ہومیارڈ (HOLMYARD) اور ہنری فارمر (H-G.FARMER)

عربی زبان اور علم الادیان

اہل اسلام کے ہاں جو علوم متداول رہے ہیں، ان کو دو بڑی قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے: اول منقولات جس میں دینی علوم اور ان کے متعلقات شامل ہیں اور دوسرے معقولات یعنی فلسفہ و حکمت اور سائنسی علوم جن کو مسلمانوں نے دوسری اقوام سے حاصل کیا۔ ان کے علاوہ بعض ایسے علوم بھی ہیں جن کو مسلمانوں نے خود ایجاد کیا۔ ان میں علم الادیان بھی شامل ہے۔ یعنی مختلف مذاہب کا مطالعہ اور ان کے مخصوص عقائد کی توضیح۔ اہل اسلام کے ہاں مذاہب عالم

---

[1] ایڈورڈ پوکاک (POCOCKE) اوکسفورڈ یونیورسٹی میں عربی کے سب سے پہلے پروفیسر ہیں۔ جب ۱۶۳۶ء میں ان کا تقرر ہوا تو اس کے اگلے سال انھوں نے استنبول کا راستہ لیا اور تحصیل علم کے لئے وہاں دو تین سال تک سکونت اختیار کی اور واپسی پر اپنے ساتھ کئی سو عربی مخطوطات لائے۔ ان میں سے بعض کو شائع کیا اور بعض کا ترجمہ کیا۔ یہ تمام ذخیرہ اب اوکسفورڈ کی باڈلین لائبریری میں محفوظ ہے اور اس سے علماء استفادہ کر رہے ہیں۔

کے درس و مطالعہ نے ایک مستقل علم کی صورت اختیار کر لی تھی اور اس باب میں متعدد بلند پایہ کتابیں معرضِ تحریر میں آئیں۔ مثلاً ابن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ کی کتاب "الفصل فی الملل والنحل" اور شہرستانی کی کتاب "الملل والنحل" اور عبدالقاہر بغدادی کی کتاب "الفرق بین الفرق" اور نوبختی کی "فِرق الشیعہ" وغیرہ۔ ان کے علاوہ ابن الندیم نے بھی اپنی کتاب الفہرست میں متعدد مذاہب کے عقائد کی تفصیل دی ہے۔ اور ان کے متعلق ایسی معلومات فراہم کی ہیں جو اور کہیں نہیں ملتیں۔

مذکورہ بالا کتابیں جن میں مختلف مذاہب کا بیان ہے، کتبِ مناظرہ سے الگ ہیں کیونکہ ان کا مقصد دیگر مذاہب کا ابطال نہیں بلکہ ان کی تعلیمات کی توضیح ہے۔ اپنے موضوع اور مقصد کے لحاظ سے علم کی یہ ایک بالکل جداگانہ اور جدید شاخ تھی، جو عالمِ اسلام میں نمودار ہوئی۔ اس کی نظیر ہمیں پہلے کہیں نہیں ملتی، اور نہ ہی ہمعصر مغربی ملکوں میں نظر آتی ہے، جہاں نصرانیت کا دَور دَورہ تھا۔ اس زمانہ کے عیسائی لٹریچر میں غیر مسیحی مذاہب کا ذکر ان کی تردید کی غرض سے آیا ہے۔ ان کے ہاں دیگر مذاہب کے علمی اور غیر جانبدار مطالعہ کا کہیں پتا نہیں چلتا۔

اسپین کے مشہور مستشرق پروفیسر آسین نے ابن حزم اندلسی کا خصوصی مطالعہ کیا ہے اور اس کی کتاب "الملل والنحل" کو بتمام و کمال ہسپانوی زبان میں ترجمہ کر دیا ہے۔ اسپین کی رائل اکیڈیمی آف ہسٹری نے جب ان کو ۱۹۲۴ء میں اپنا رکن بنایا تو اس موقع پر انھوں نے اکیڈیمی کے ایک خاص اجلاس میں ایک خطبہ دیا تھا جس میں ابن حزم اور اس کی کتاب المِلل والنحل کو اپنا موضوع بحث بنایا ہے۔ اس موقع پر انھوں نے فرمایا کہ کتاب الملل جیسی کتاب جس میں بہت سے مذاہب کا بیان ہے، صرف اندلس جیسے ملک میں لکھی جا سکتی تھی، جہاں مذہبی رواداری کا اصول جاری تھا اور جہاں مسلمان، نصاریٰ اور یہودی تمام ملتوں کو کامل مذہبی آزادی حاصل تھی اور سب مذاہب کے لوگ ایک دوسرے کے ساتھ امن اور آشتی کی فضا میں رہتے تھے۔ کتاب الملل جیسی کتاب ایسے ہی وسیع المشرب ماحول میں تالیف ہو سکتی تھی۔ پروفیسر آسین نے اس رائے کا بھی

اظہار کیا تھا کہ ابن حزم کی اہمیت وعظمت اس بات میں مضمر ہے کہ وہ نہ صرف عالم اسلام بلکہ تمام دنیا میں دینی عقائد اور مذہبی آراء کا سب سے پہلا مؤرخ گزرا ہے۔ [1]

ابن الندیم بغدادی کی کتاب الفہرست میں بھی بہت سا ایسا مواد ملتا ہے، جو علم الادیان کے لحاظ سے بیش قیمت ہے۔ اگرچہ علم الادیان اس کا موضوع نہیں، لیکن مختلف مذاہب کی مقدس کتابوں کے ضمن میں ابن الندیم نے ان کے جو عقائد لکھے ہیں، اور ان کے بانیوں کے جو کوائف بیان کئے ہیں، وہ ہماری گہری دلچسپی کا موجب ہیں۔ مثلاً اس نے مانی اور اس کی تعلیم کا جو بیان لکھا ہے، اس فرقہ کے متعلق مستند اور بہترین مصادر میں شمار ہوتا ہے۔ مانی نے بذاتِ خود اپنی تعلیم کے بارے میں متعدد کتابیں لکھی تھیں. جو حوادث زمانہ کی نذر ہو گئیں، لیکن اسلام کی ابتدائی صدیوں میں موجود تھیں۔ لہٰذا مسلمان متقدمین کے بیانات مانی کے بارے میں بڑے مستند اور اہم سمجھے جاتے ہیں۔ مسلمان مصنفین نے دیانت داری سے کام لیا ہے اور ان روایات کو جوں کا توں ہم تک پہنچا دیا ہے۔ اسی طرح البیرونی اور الشہرستانی کے ہاں بھی مانی اور اس کے فرقہ کے متعلق بڑی اہم معلومات ملتی ہیں۔

ابوالفتح الشہرستانی (متوفی ۵۴۸ھ) کی کتاب "الملل والنحل" بھی علم الادیان کے لحاظ سے بڑی دلچسپ اور اہم ہے، کیونکہ اس میں فاضل مصنف نے مختلف مذاہب اور فلسفہ کے مختلف دبستانوں کے متعلق بڑی مفید اور بیش قیمت معلومات فراہم کی ہیں۔ فاضل مؤلف نے اپنی کتاب کو یہود، نصاریٰ اور اہل اسلام کے مذاہب کے بیان سے

---

[1] یہ خطبہ ہسپانوی زبان میں ہے اور خوش قسمتی سے اس کا ایک مطبوعہ نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے۔ اس کا عنوان حسب ذیل ہے:۔

ASIN PALACIOS : EL CORDOBES ABENHAZAM, PRIMER HISTORIADOR DE LAS IDEAS RELIGIOSAS. MADRID, 1924.

شروع کیا ہے اور ان مذاہب کو یکجا کرنے سے صاف ظاہر ہے کہ مؤلف کو ان کے باہمی تعلقات کا بخوبی احساس تھا۔ اس کے بعد شہرستانی نے مجوسی اور مانوی فرقوں کا حال لکھا ہے اور ان کے عقائد کی تفصیل دی ہے۔ اس کے بعد صابیوں اور یونانی فلسفہ کے مختلف دبستانوں کا بیان ہے۔ کتاب کے آخری حصہ میں جاہلی عربوں اور ہنود کے عقائد کا بیان ہے۔ ان دونوں قوموں کو غالباً ان کی بت پرستی اور شرک کی بنا پر اکٹھا رکھا گیا ہے۔ شہرستانی ایک راسخ العقیدہ مسلمان تھا، اس نے دیگر مذاہب کی تعلیمات کے بیان میں کمال دیانت داری سے کام لیا ہے۔

علم الادیان نے جب سے مستقل فن کی صورت اختیار کی۔ اس پر ایک صدی سے زیادہ کا عرصہ نہیں گزرا۔ جو علماء اس شعبہ میں کام کر رہے ہیں چونکہ وہ اپنے آبائی عقائد اور ذاتی رجحانات سے آزاد نہیں اس لئے ان کی کاوش تاحال خاطر خواہ مفید نتائج پیدا نہیں کر سکی! اہل اسلام نے ایک ہزار سال کا عرصہ ہوا، علم الادیان کی بنیاد ڈال دی تھی۔ مسلمان مصنفین کے ہاں دنیا کے مختلف مذاہب کے متعلق جو معلومات ملتی ہیں، وہ عربی میں ہیں اور اب تک علماء کو دعوتِ تحقیق دے رہی ہیں۔